اس رسالہ میں دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مفتی صاحب اور مولوی عبد الحی لکھنوی کے فتووں کا رد بلیغ کیا گیا ہے اور مخالفین کے شکوک و شبہات کے مسکت جوابات دیئے گئے ہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ قبور مسلمین کو ویران کرنا، مسجد میں شامل کرنا ان پر نماز پڑھنا یا قبور کی جگہ سے اور کوئی نفع اٹھانا شرعاً ناجائز ہے

القول المبرور فی صیانۃ القبور

از رشحات قلم

حامی سنت ماحی بدعت منبع العلوم جامع المعقول والمنقول

حضرت علامہ مولانا ابو الفضل محمد فضل سبحان صاحب مدظلہم العالی

مہتمم و شیخ الحدیث ادارۂ اہلسنت وجماعت دار العلوم قادریہ (رجسٹرڈ) بغدادہ مردان

شعبۂ نشر و اشاعت دار العلوم قادریہ (رجسٹرڈ) بغدادہ مردان فون ۲۹۶۶

سبب تالیف

چونکہ بزرگوارم حضرت علامہ مولانا عبدالحنان صاحب نے کئی مدارس اسلامیہ کے مفتیان صاحبان سے اسی عبارت سے جو اگلے صفحہ پر مکتوب ہے استفتاء کیا جن کے جوابات آئے۔ اکثر جوابات تو صحیح تھے جن کی بنا حقیقت پسندی اور مسئلہ کی شرعی حیثیت پر تھی مگر بعض مفتیان عظام نے جوابات غلط لکھے اور انہوں نے مسئلہ شرعیہ میں مسلکی تعصب کو دخل دے کر صرف اپنے اسلاف کے غلط فتووں کی تقلید کے لئے مذہب حنفی کی تصریحات اور احادیث نبویہ کی کثیر تعداد کو پس پشت ڈال دیا اگر اس قسم غلط فتووں کی تردید نہ کی جائے اور یجال خود چھوڑ دیئے جائیں تو یہ فتوے مسلمانوں کی گمراہی ان کی عبادات کی بربادی کا سبب بن سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس حقیر نے یہ چند سطور فقط اس غرض سے تحریر کئے کہ مسلمانوں کی صحیح راہنمائی ہو سکے اور زندہ مسلمان اپنے مردہ بھائیوں کے قبور کو ہموار کرنے کے گناہ سے اپنے ہاتھوں کو ملوث نہ کریں جس سے یقیناً مردہ مسلمانوں کی توہین ہوگی تو اس تحریر سے غرض زندہ مسلمانوں کو گناہ سے بچانا اور مردوں کو اذیت اور توہین سے بچانا ہے۔

اس موضوع پر راقم الحروف نے چونکہ اختصار سے کام لیتے ہوئے ضروری مسائل اور تردید زیر تحریر لایا ہے لیکن اس موضوع پر ایک بہترین رسالہ کی نشاندہی ناظرین کے لئے ضروری سمجھتا ہے جس میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث اور نہایت مفید علمی تحقیقات موجود ہیں اور وہ ہے خاتمۃ المحققین بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم ابوحنیفہ وقت اعلیٰ حضرت عظیم المبرکت مولانا شاہ احمد رضاخان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب مستطاب اھلاک الوھابیین علی توھین قبور المسلمین یہ رسالہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سطور کو مسلمانوں کی ھدایت کے لئے سبب مقبول بنائے آمین ثم آمین

راقم الحروف

ابوالفضل محمد فضل سبحان

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں پرانی قبر موجود ہے اور جب مسجد میں قوم نے توسیع کا ارادہ کیا تو اگر اس قبر کو بلا نبش میت ہموار کردی جائے اور مسجد میں شامل کردی جائے اور لوگ اس پر نماز پڑھیں تو آیا شرعاً یہ دونوں کام ۱ یہ کہ قبر کو مسجد میں شامل کرنا ۲ یہ کہ اس قبر پر نماز پڑھنا جائز یا نہ؟

جواب فقہاء کرام کے اقوال کے نقل کے ساتھ عنایت فرمادیں۔

(بینوا توجروا)

المستفتی عبدالحنان مقام لنڈی شاہ ضلع و تحصیل مردان پوسٹ کاٹلنگ

(الجواب)

ولی یا ولی کے تئے پرانی قبر کا ہموار کرنا جائز ہے اور پھر اس جگہ پر نماز پڑھنا درست ہے۔ کما فی شرح التنویر جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی و صار ترابا زیلعی دھامش ردالمختار ج۱ ص۸۴۰ قلت واما اشتراط الولی او الولی فماخوذ من حدیث علی ولا قبرا مشرفا الا سویته ولان فی تسویة الغیر اثارة الفتنة.

واما صحة الصلوٰة فلان الممنوع الصلوٰة الی القبر دون الحی والمیت ولما قالوا ان فی الحطیم مدفن لبعض الانبیاء ۔ وھو الموفق

محمد فرید عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(بحث اول تردید فتوٰی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

اجزاء فتوٰی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جزء۱ پرانی قبر کا ہموار کرنا جائز ہے۔

جزء۲ اور یہ ولی یا والی کر سکتا ہے یعنی اس کو یہ اختیار ہے۔

جزء۳ اور پھر اس جگہ پر نماز پڑھنا درست ہے۔

دلیل جزء۱ :- جاز زرعہ والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زیلعی ہامش رد المختار جلد ۱ صفحہ ۸۴۰

دلیل جزء۲ :- قلت (۱) واما اشتراط الولی او الوالی فماخوذ من حدیث علی ولا قبرا مشرفا الا سویتہ

(۲) ولان فی تسویۃ الغیر اثارۃ الفتنہ

دلیل جزء۳ (۱) واما صحۃ الصلوٰۃ فلان الممنوع الصلوٰۃ الی القبر دون الحی والمیت

(۲) ولما قالوا ان فی الحطیم مدفن لبعض الانبیاء

اقول :- اولاً تو یہ جواب اس سوال سے مطابقت نہیں رکھتا جو استفتاء میں ع۱ سے مکتوب ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسجد میں موجود پرانی قبر کو ہموار کر کے مسجد میں شامل کی جائے۔ اور یہ عمل بھی بلا نبش میت ہو۔ تو آیا شرعاً یہ جائز کہ ناجائز؟

اب یہ سوال بالکل ان معانی کے اعتبار سے واضح ہے کہ جب میت کی نبش نہیں ہوئی اور قبر ہموار ہوئی تو ہمواری سے مراد یہ ہے کہ قبر کی جو علامت ہے یعنی وہ مٹی جو اوپر کے حصہ پر ڈھیر ہوتی ہے جس کی ہیئت شرعیہ عند الحنفیہ تسنیم بلکہ عند الحنابلہ والمالکیہ بھی اور عند الشافعیہ تربیع وہ مٹی ہٹا دی گئی اور سطح زمین کے ساتھ یعنی سطح زمین مسجد کے ساتھ ہموار و برابر کر دیا گیا اور یہ جگہ جو قبر میت ہے مسجد میں شامل کر دی گئی۔ یعنی مسجد کا حصہ ہو گئی تو سوال اس کے جواز و عدم کا ہے۔

اور دار العلوم حقانیہ کے مفتی صاحب کے فتویٰ کے جزو اول میں یہ امر مطلق بتایا گیا ہے کہ پرانی قبر کا ہموار کرنا جائز ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب اس موجود استفتاء کا جواب نہیں دے رہے ہیں بلکہ اپنی ذہنی اختراعیات میں سے کسی مفروضہ کا جواب دینے بیٹھ گئے ہیں معلوم نہیں کہ یہ طریقۂ فتویٰ مفتی صاحب نے کہاں اور کس دینی دار العلوم میں ٹریننگ سے حاصل کیا۔ اور پھر جو کچھ اس جزء کا جواب غیر مربوط لکھا وہ بھی صریح غلط کیونکہ مفتی صاحب کی عبارت (پرانی قبر کا ہموار کرنا جائز ہے) میں لفظ ہموار سے مراد بھی متبادر معنی ہیں جو کہ سطح زمین کے ساتھ ہموار کرنا ہے اور یہی معنی مفتی صاحب کی دلیل سے بھی معلوم ہوتے ہیں جو کہ عبارت درمختار ہے کہ (جاز زرعہ والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا) کیونکہ زرع اسی صورۃ میں ہو سکتا ہے کہ سطح زمین کے ساتھ ہموار ہو۔ اب مفتی صاحب کی یہ عبارت اپنی اطلاق پر رکھتے ہوئے کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ مطلق پرانی قبر کا زمین کے ساتھ ہموار کرنا جائز ہے کیونکہ جو عبارت مفتی صاحب نے درمختار کی اس جز کے اثبات کے لئے نقل کی ہے اس کا بھی اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ درمختار کی یہ عبارت کہ جاز زرعہ والبناء الخ یہ عبارت اس قبر سے متعلق ہے جو قبر کسی مملوکہ زمین میں واقع ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب میت تراب ہو جائے تو قبر کی زرع جائز ہے اور وہ بھی جب کہ مملوکہ زمین میں باذن مالک دفن ہو کیونکہ اگر دفن بغیر اذن مالک ہے تو پھر مالک کو اختیار ہے کہ وہ نبش میت کر کے زمین سے فائدہ اٹھائے یا بغیر نبش زمین سے فائدہ اٹھاتا ہے یا اپنے حق کو ساقط کر کے میت کو اور اس کی قبر کو اپنی حالت پر چھوڑتا ہے۔ بہرحال تو عبارت زیلعی و درمختار قبر در زمین مملوکۃ الغیر باذن مالک سے متعلق ہے اور حضرت مفتی صاحب اس کو استدلال میں پیش کرتے ہیں مطلق پر۔ گویا یہ خاص سے عام پر استدلال ہوا تو یہ کب صحیح ہے؟

نفس عبارت نقل کرنا فقاہت نہیں بلکہ فقہاء کے اشارات پر غور کرنا اور یہ دیکھنا کہ فقہاء اس عبارت کو کون سے محل میں نقل کر رہے ہیں بھی ضروری ہوتا ہے۔ تو افسوس اگر مفتی صاحب اس بات پر تھوڑا غور کرتے کہ صاحب درمختار نے یہ عبارت کونسے محل میں

نقل کی آیا یہ قبر در زمین مملوکہ کی بحث ہے یا مطلق قبر کی چاہے موقوفہ زمین میں ہو یا مملوکۃ الغیر میں
اور اگر بمفروضہ مفتی صاحب زیلعی و در مختار کی یہ عبارت مطلق قبر سے متعلق کی جائے تو
اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جو قبر زمین موقوفہ میں ہو اس کا بھی زرع جائز ہے اور یہ ظاہر
ہے کہ جو زمین جس غرض کے لئے وقف ہوئی ہے اس میں تغیر ناجائز ہے تو جو زمین موقوفہ للقبور ہو
اس کا زرع کیسے جائز ہے اور ہم بتا سکتے ہیں کہ نہیں جائز ملاحظہ ہو عالمگیری جلد ثانی ص۴۷۰
فرماتے ہیں۔ وسئل هو ایضاً عن المقبرة فی القری اذا اندرست و لم
یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها و استغلالها
قال لا ولها حکم المقبرة کذا فی المحیط۔
یہاں قاضی امام شمس الائمہ محمود الاوزجندی جو فرماتے ہیں کہ اگر میت کی ہڈی تک نہ
رہے بالکل مٹی ہو جائے پھر بھی مقبرہ کا زرع جائز نہیں تو اگر زیلعی کی عبارت عام ہے وقف
غیر وقف سب کو شامل تو پھر اس عبارت محیط سے تعارض کا کیا جواب؟
اور ہمارے نزدیک بحمد اللہ تعالےٰ کوئی تعارض نہیں کیونکہ عبارت زیلعی کا محمل قبر در زمین
مملوکۃ الغیر باذن مالک اور عبارت محیط کا محمل وہ قبور جو زمین موقوفہ للقبور میں واقع ہوں۔
تو معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کی دلیل اس کے دعویٰ کی مفید نہیں اور ثابت ہوا کہ ہر پرانی
قبر کی زرع جائز نہیں۔

(کلام بر جزو ثانی)

ولی یا والی کو جائز ہے کہ پرانی قبر کو ہموار کرے اور اس جزو کی دلیل یہی ہے کما قلت وا ما
اشتراط الولی او الوالی الخ۔ تو ولی اور والی کے درمیان بھی کلمہ یا اور دلیل میں دونوں کے
درمیان کلمۂ او ہے اور مفتی صاحب کے اشتراط کے لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب
کے نزدیک او منع اللغو کے لئے ہے تو مفتی صاحب کی عبارت سے تین صورتیں نکل سکتی ہیں۔
نمبر۱۔ صرف ولی پرانی قبر کو ہموار کرے
نمبر۲۔ صرف والی پرانی قبر کو ہموار کرے

نمبر ۳ ولی اور والی دونوں پرانی قبر کو ہموار کریں۔

اور مفتی صاحب جب ولی کو والی کے مقابلہ میں ذکر کرتے ہیں تو اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ولی سے مراد ولی میت لیتے ہیں اور والی سے مراد حاکم لیتے ہیں۔ تو مفتی صاحب کی عبارت اب بالکل اس مفہوم کے اعتبار سے صاف ہوئی کہ اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں پرانی قبر کو ہموار کرنا جائز ہے کیونکہ صرف ولی قبر کو ہموار کرے یا صرف والی قبر کو ہموار کرے ان دونوں صورتوں کی جواز پر تو تصریح کر چکے اور تیسری صورۃ کہ دونوں کرے بطریق منع الخلو اور بطریق اولی معلوم ہوتی ہے لیکن مفتی صاحب جب ان تین صورتوں پر دلیل دینے لگے تو حدیث علی پیش کی اولاً تو اس حدیث سے مفتی صاحب جو معنی لے کر استدلال کرتے ہیں۔ حدیث کے قطعاً وہ معنی مراد نہیں یہ بھی ہم بتادیں گے کہ حدیث کے صحیح معنی کیا ہیں مگر بفرضہ مفتی صاحب بھی اس حدیث سے یہ تینوں صورتیں ثابت نہیں ہوتیں کیونکہ مفتی صاحب کے نزدیک ولی میت بھی قبر میت کو ہموار کر سکتا ہے۔ اور حدیث سے بفرضہ مفتی صاحب یہ ثابت ہوتا ہے کہ والی یعنی حاکم ایسا کر سکتا ہے اور ولی میت حاکم سے عام ہے اور حکم خاص حکم عام نہیں ہوتا تو آخر ولی میت کے لئے پرانی قبر ہموار کرنے کا اختیار مفتی صاحب کہاں سے ثابت کریں گے۔

لہٰذا حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بفرضہ مفتی صاحب بھی ولی میت کے لئے یہ اختیار ثابت نہیں کر رہی۔

اعتراض ثانی۔ یہ کہ مفتی صاحب کہتے ہیں ولی یا والی کے لئے پرانی قبر ہموار کرنا جائز ہے اور استدلال میں حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ پیش کرتے ہیں تو کیا حضرت اس حدیث میں کہیں یہ ہے کہ پرانی قبر ہموار کریں۔ یہ پرانی قبر کے ہموار کرنے کا اختیار آپ دے رہے ہیں ولی یا والی کو اگر اختیار ولی یا والی کی یہ حدیث دلیل ہے مفتی صاحب کے نزدیک عن ابی الھیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ۔ رواہ مسلم۔ تو مفتی صاحب ذرا انصاف تو کیجئے اگر حدیث کا ترجمہ

آپ کا عندی بھی فرض کیا جائے تو پھر والی یا ولی کا یہ اختیار پرانی قبر پہ کیوں مقصور کرتے ہیں جب کہ حدیث میں پرانی اور نئی کی کوئی قید نہیں اور نہ ہی کسی محدث نے یہ حدیث پرانی قبر کے ساتھ خاص کی ہے بلکہ حضرت مفتی صاحب آپ کو والی یا ولی کے ساتھ زیادتی نہیں کرنی چاہیئے اگر حدیث اختیار ولی یا والی کی دلیل ہے اور آپ کے نزدیک یقیناً (اگرچہ نفس الامر میں نہیں) ہے تو پھر آپ کو یہ اختیار ہر نئی و پرانی قبر کی ہمواری کا ولی یا والی کے لئے بمطابق آپ کی دلیل تسلیم کرنا چاہیئے لہٰذا آپ کو پرانی کی قید نہیں لگانا چاہیئے بلکہ آپ کی دلیل سے اگر آپ کا استدلال صحیح تسلیم کر لیا جائے معاذاللہ تو پھر فتویٰ آپ ایسا دیں کہ ہر نئی و پرانی قبر کو ہموار کرنے کا اختیار ولی یا والی کو حاصل ہے تو پھر اذا بلی وصار ترابا تک انتظار کرنے کی بھی ضرورت نہ رہی بلکہ آپ کے نزدیک جب چاہے مٹا سکتا ہے یہ خلاصہ نکلا مفتی صاحب کے استدلال بالحدیث کا کم از کم اتنا تو معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کے فتویٰ کی دوسری جز بھی دلیل پر نہیں بلکہ مسلمین کی قبور کیساتھ شاید ان کو کچھ قلبی عداوت ہے اور یہ پورا فتویٰ اس عداوت قلبیہ کی دلیل ہے کیونکہ ان الکلام لفی الفؤاد و انما جعل اللسان علی الفواد دلیلا۔

اعتراض ثالث : مفتی صاحب فرماتے ہیں۔ قلت و اما اشتراط الولی او الوالی فما خوذ من حدیث علی۔ لفظ ماخوذ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشتراط ولی یا ولی مسئلہ اجتہادیہ اور اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہے تو مفتی صاحب اگر گستاخی نہ ہو تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ یہ اجتہاد اس حدیث سے آپ جیسے مجتہد سے قبل سلف صالحین اور علماء امت میں سے کسی نے کیا ہے۔ یا یہ آپ کا اخذ و اجتہاد ہے لیکن شاید مفتی صاحب کی مثل اس اجتہاد میں سلف میں کوئی نہ ملا ہو گا۔ اس لئے انہوں نے اجتہاد کی نسبت بکلمہ قلت اپنی طرف کر دی اب یہ بات مفتی صاحب خوب سمجھتے ہوں گے کہ مفتی صاحب کا اجتہاد حجۃ ہے یا نہیں ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہو گا تو اس حدیث کو پیش کرنا سعی لاحاصل ثابت ہوئی

اعتراض رابع : اب تک کا کلام ہم نے اس پر کیا کہ علی سبیل التسلیم اگر حدیث شریف میں الاسویۃ کے لفظ سے تسویہ مع الارض مراد ہو۔ جیسے کہ مفتی صاحب

کے کلام سے معلوم ہوتا ہے یعنی ہموار کرنا۔ تو بھی اس حدیث سے مفتی صاحب کا استدلال صحیح نہیں۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ حدیث کے محدثین وفقہاء کرام کیا معنی کرتے ہیں اور حدیث کے لئے کیا محل متعین کرتے ہیں اور جب حدیث کی مراد متعین ہوگی تو دلیل کے لئے اسی متعین مراد کا اختیار بھی متعین ہو جائے گا۔ بمقتضاء اجتہاد مفتی صاحب۔

حدیث کے معنی ملاحظہ ہو فتح القدیر جلد ثانی صفحہ ۱۴۰ مصری علامہ کمال ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی سنہ ۸۶۱ھ فرماتے ہیں۔ واما ما فی مسلم عن ابی الهیاج الاسدی قال قال لی علی الحدیث فهو علی ما کانوا یفعلونه من تعلیة القبور بالبناء الحسن العالی ولیس مرادنا ذالک القدر بل قدر ما یبدو من الارض ویتمیز عنها واللہ سبحانہ اعلم۔ تو ابن ہمام کے اس قول سے واضح ہوا کہ قبر مشرف سے مراد وہ قبر ہے جو حد شرع سے زائد اونچی ہو اور الا سویتہ سے مراد زمین کے ساتھ تسویہ مراد نہیں بلکہ حد شرع کے ساتھ تسویہ مراد ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یہی کام سپرد کیا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ قبروں کو خوبصورت اور ایک بالشت سے زائد اونچی بناتے تھے تو حضورؐ نے حضرت علی کو فرمایا کہ وہ اونچائی جو حد شرع سے زائد ہے اس کا ازالہ کریں اور قبروں کو حد شرع کے برابر بنائیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو اس پر علامہ ابن الحاج مالکی بھی تفسیر قرطبی سے نقل کرتے ہوئے اپنی کتاب المدخل جلد ثالث صفحہ ۲۷۶ میں بعد نقل حدیث مذکور فرماتے ہیں۔ وذهب الجمهور الی ان هذا الارتفاع المامور بازالته هو ما زاد علی التسنیم ویبقی القبر ما یعرف به ویحترم وذالک صفة قبر نبینا وسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی ما رواہ الدارقطنی من حدیث ابن عباس۔ آپ نے دیکھ لیا کہ مذہب جمہور یہی ہے کہ حدیث میں اس ارتفاع کے مٹانے کا امر ہے جو حد شرع سے زائد ہو۔ زمین سے ہموار کرنا نہیں۔ نیز اسی عبارت فتح القدیر کو علامہ محمود آلوسی بغدادی نے بھی اپنی تفسیر روح المعانی میں نقل کر کے اس سے اتفاق کا اظہار کیا چنانچہ فرمایا قال ابن الہمام فی فتح القدیر وهو محمول

علی ما کانوا یفعلونہ من تعلیۃ القبور بالبناء الحسن العالی روح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۲۳۸۔
طوالت سے بچتے ہوئے ان عبارات پر اکتفاء کیا جاتا ہے کہ حدیث میں تسویہ سے مراد زمین سے تسویہ نہیں بلکہ قبر کی حد شرع سے برابر کرنا ہے۔

اعتراض خامس :- مراد حدیث متعین ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ اس حدیث سے تو ثابت نہیں ہوا کہ ولی یا والی کو یہ اختیار ہے کہ پرانی قبر کو زمین کے ساتھ ہموار کرے۔ جیسے مفتی صاحب کا زعم ہے بلکہ بمقتضاء اجتہاد مفتی صاحب صرف والی یعنی حاکم کو یہ اختیار ثابت ہوا کہ پرانی قبر ہو یا نئی ہر قبر مسلم سے زائد از شرع ارتفاع مٹایا جائے اور قبر کو حد شرع (جو کہ ایک بالشت ہے) کے مطابق بنایا جائے تو والی کے لئے قبر شرعی بنانے کا اختیار ثابت ہوا نہ کہ مٹانے کا تو مفتی صاحب آپ اس حدیث سے ہموار کرنے کا اختیار ولی کے لئے یا والی کے لئے آخر کونسا طریقہ اجتہاد استعمال کر کے ثابت کر رہے ہیں؟

خلاصہ یہ کہ قبر زمین کے ساتھ ہموار کرنے کا اختیار اس حدیث سے نہ ولی کے لئے ثابت ہوا اور نہ والی کے لئے اور غیر ولی یا والی کے لئے تو یہ اختیار مفتی صاحب خود بھی نہیں مانتے چنانچہ ان کی دلیل ثانی سے واضح ہے کہ ولان فی تسویتہ الغیر اثارۃ الفتنۃ :لہٰذا معلوم ہوا کہ قبر زمین سے ہموار کرنے کا اختیار نہ ولی نہ والی نہ ان کے کسی غیر کو ہے۔

البتہ قبر سے زائد از شرع ارتفاع کے ازالہ کا اختیار تو یہ اختیار ولی یا والی میں محصور نہیں بلکہ اگر مانع نہ ہو تو یہ اختیار ہر مسلمان کو حاصل ہے اور اگر مانع موجود ہوا جیسے فساد اور جھگڑے کا خطرہ ہو تو پھر یہ اختیار امام وقت کو حاصل ہوگا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۲۳۸ فرماتے ہیں۔ وینبغی لکل احد ھدم ذالک مالم یخش منہ مفسدۃ فتعین الرفع للامام اخذا من کلام ابن الرفعۃ فی الصلح۔

لہٰذا مطلب یہ کہ حد شرع سے زائد ارتفاع کے مٹانے کا فی نفسہ ہر مسلمان کو اختیار ہے اور بوقت خطرہ فساد امام کو اختیار ہوگا۔ اور رہا یہ کہ قبر کو زمین سے ہموار کر دی جائے اور اس کا نشان مٹا دیا جائے تو اس کا اختیار نہ ولی میت کو ہے اور نہ حاکم وقت کو اور نہ غیر کو ان میں

سے کوئی بھی اس فعل قبیح کا شرعاً مالک و مختار نہیں ہے اور حدیث مذکور سے استدلال اس مقصد پر سعی بے سود ہے جیسے مفتی صاحب نے اس کا ارتکاب کیا جو شان علماء محققین سے بُعد رکھتی ہے۔

(جزء ثالث پر بحث)

فرمایا۔ اور پھر اس جگہ پر نماز پڑھنا درست ہے

اگر اس سے مراد یہ ہو کہ مفتی صاحب کے نزدیک یا ان کے کسی پیر و استاذ یا کسی رشتہ دار کے نزدیک درست ہے تو شاید ہو لیکن اگر مراد یہ ہے کہ شرعاً درست ہے تو پھر مفتی صاحب نے اتنی غلط بات کہی ہے کہ میرے خیال میں علم دین سے معمولی مناسبت رکھنے والا انسان بھی نہیں کہہ سکتا میرے خیال میں اتنا غلط فتویٰ دینے کے دو میں سے ایک سبب ہو سکتا ہے یا ہو سکتا ہے کہ دونوں ہوں اور وہ علم دین کا فقدان ہے یا پھر خداوند قدوس سے بے خوفی پر بناء عناد جس سے غرض وہابی بندوں کے عقائد باطلہ کی تائید و ترویج اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور ان کی نمازوں کو برباد کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے لیکن مفتی صاحب کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ الحمد للہ صوبہ سرحد میں ایسے علماء حق اب بھی موجود ہیں جو مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ اور عقائد اہلسنت وجماعت کا نہ صرف علم عمیق رکھتے ہیں بلکہ وہابیہ کی سازشوں سے واقفیت کے ساتھ ساتھ ان کے جوابات اور عوام اہل سنت وجماعت کی صحیح راہنمائی کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہابی عقائد کو پاکستان میں کامیابی نصیب نہیں ہو رہی ہے۔

الغرض ایک مسلمان میت کی قبر کو اگر ہموار کیا جائے تو یہ ایک فعل قبیح ہے جس پر بحث ہو گئی مگر اب رہا یہ کہ اس جگہ پر جس سے نبش میت نہیں ہوئی صرف اوپر کا ڈھیر مٹی ہٹا دی گئی۔ نماز پڑھنا تو شرعاً ناجائز ہے اصل بات تو یہ ہے کہ شاید مفتی صاحب کو معلوم ہو گا کہ مٹی کا یہ اوپر کا ڈھیر قبر کی حقیقت میں داخل نہیں بلکہ قبر مدفن میت کا نام ہے تو اگر مٹی ہٹائی جائے تو پھر بھی وہ قبر ہی رہے گا جب تک میت اس جگہ سے نکالی نہ جائے۔ اب رہا مفتی صاحب کا یہ زعم کہ ہو سکتا ہے کہ میت مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو گیا ہو تو اس کا ازالہ یہ ہے کہ اول تو ہر میت مٹی میں مل کر

مٹی ہوتا نہیں بلکہ قبر میں ہونے کے باوجود اس کا پورا بدن صحیح وسالم رہتا ہے۔ تسلی کے لئے ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۱۶۵ فرماتے ہیں۔ وقیل العجب لاتعد و علیھم الارض ولاھوامھا الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام والعلماء والشھداء والمؤذنون۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام علماء، شہداء اور مؤذنین کو زمین اور زمین کے حشرات کیڑے اور زہریلی چارپائے میں سے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لہٰذا یہ چار اقسام بنی آدم میں سے کوئی بھی مرکر مٹی میں نہیں مل جاتا یعنی مٹی نہیں ہوتا بلکہ ان کے ابدان صحیح وسالم محفوظ رہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ہر میت کی بنا نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر میت مٹی ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر میت مکمل طور پہ بھی مٹی نہیں ہوتا بایں معنی کہ میت کے کل اجزاء بدن مٹی ہو کر فنا ہو جائیں ایسا بھی نہیں ہوتا بلکہ ہر میت کے بعض اجزاء ایسے ہیں جن پر علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ بعض اجزاء فنا نہیں ہوتے یعنی مٹی نہیں ہوتے جیسے کہ ملاحظہ ہو مسلم شریف کی شرح علامہ نووی علیہ الرحمۃ قاضی عیاض سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں قال القاضی وفیہ ان الموت لیس بافناء ولا اعدام وانما ھو انتقال وتغیر حال واعدام للجسد دون الروح الا ما استثنی من عجب الذنب۔ مسلم شریف جلد اول ص ۴۱ اس سے معلوم ہوا کہ موت اعدام کا نہیں بلکہ انتقال و تغیر حال کا نام ہے اور اعدام اگر ہے تو کل جسد کا نہیں بلکہ دم کی جڑ اس سے مستثنیٰ ہے تو پتہ چلا کہ دم کی جڑ مٹی نہیں ہوتی لہٰذا اگر میت ان مندرجہ بالا چار اقسام میں سے نہ بھی ہو پھر بھی کل میت مٹی نہیں ہو جاتا۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ میت کی قبر بالکل میت سے خالی بالکلیہ نہیں ہو سکتی قبر میں صحیح سالم البدن میت موجود ہو گا اگر میت از قبیل اقسام اربعہ مذکورہ ہے یا میت کے بعض اجزاء قبر میں موجود رہیں گے۔ تو اب کل میت سالم البدن یا بعض اجزاء میت کے قبر میں رہتے ہوئے اگر اوپر کی مٹی ہٹا دی جائے تو وہ جگہ مدفن میت ہے اور وہ قبر ہے لہٰذا اس جگہ پر

نماز یہ قبر کے اوپر نماز پڑھنا ہوگا اور مفتی صاحب قبر پہ نماز کے جواز اور درستی کے قائل ہیں
جیسے ان کی عبارت میں اس پر تصریح موجود ہے اگرچہ ان کی دو دلیلوں میں سے کسی ایک سے
بھی یہ مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ پہلی دلیل میں فرماتے ہیں۔ فلان الممنوع الصلواۃ الی
القبر دون الحی والمیت۔

یہ دلیل مفتی صاحب کی لاعلمی کی دلیل تو ضرور ہے۔ دعویٰ کی اثبات کی نہیں۔ کیونکہ اگر
گستاخی نہ ہو تو ذرا مفتی صاحب بتادیں کہ ان کے اس کلام میں الصلوٰۃ سے کونسی صلوٰۃ مراد ہے
صلوٰۃ ذات الرکوع والسجود یا صلوٰۃ جنازہ یا ہر دو قسم۔

اگر پہلی صورۃ ہے تو خلاصۂ دلیل یہ ہوا کہ نماز رکوع سجود والی صرف قبر کی طرف ممنوع
ہے زندہ اور میت کی طرف ممنوع نہیں۔ مفتی صاحب نے منع کا حصر جس صلوٰۃ میں کیا۔ وہ
صلوٰۃ رکوع سجود والی الی القبر ہے اور حصر کو اضافی مان کر جن دو چیزوں سے بہ نسبت حصر
تھا وہ بھی بتادیں کہ ایک زندہ اور دوسرا میت ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ زندہ اور میت
کی طرف منہ کر کے صلوٰۃ ذات الرکوع والسجود پڑھنا ممنوع نہیں مطلق غلط ہے کیونکہ مفتی صاحب
اگر یہ زندہ انسان نمازی کے سامنے منہ کر کے بیٹھ جائے تو کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام
کہ نماز مکروہ ہے یا نہیں ؟

ایسا ہی اگر میت سامنے پڑا ہے اور نماز رکوع سجود والی ہو تو فتویٰ کیا ہے جناب
کا کہ نماز میں کراہت ہے یا نہیں ؟ بات سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ دلیل کا دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ثبوتاً اور نہ سلباً کیونکہ اس
میں منع الصلوٰۃ الی القبر پہ تو تصریح اور ایسا ہی حصر کے مضاف الیہ کی بھی تصریح جو کہ
صلوٰۃ بطرف زندہ و میت ہے تو آخر قبر کے اوپر نماز کے جواز کا اثبات کونسے طریق پر اس
دلیل سے مستفاد ہوگا۔ تو لہٰذا یہ پہلی دلیل بصورۃ صلوٰۃ رکوع سجود والی غلط ہونے کے ساتھ ساتھ
دعویٰ کا اثبات تو کجا بالکل دعویٰ کے قریب بھی نہیں گزرتی۔

ایک شبہ کا ازالہ ، اگر مفتی صاحب کو یہ بات ذہن میں آئے کہ میں نے تو یہ کہا ہے

کہ دون الحی والمیت یعنی صلوٰۃ بطرف زندہ ومیت ممنوع نہیں آپ نے اس صلوٰۃ کی کراہت ثابت کردی تو کراہت اور جواز تو جمع ہو جاتے ہیں لہٰذا منع تو صلوٰۃ بطرف زندہ ومیت کا ثابت نہ ہوا۔

تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ہم دریافت کرلیں گے اگر مفتی صاحب کی مراد منع سے ایسی منع ہے جو جواز سے جمع نہ ہو یعنی حرمت تو پھر مفتی صاحب کی دلیل کی پہلی جز بالکل غلط ہوگئی کیونکہ فرماتے ہیں کہ فلان الممنوع الصلوٰۃ الی القبر تو بایں صورۃ معنی یہ ہوں گے کہ صلوٰۃ الی القبر حرام ہے تو کیا مفتی صاحب آپ کو معلوم ہے کہ صلوٰۃ ذات الرکوع والسجود الی القبر کی دو صورتیں علماء نقل کرتے ہیں ایک کفر ہے اور دوسری مکروہ اگر نمازی اپنی نماز سے حقیقۃً قبر یا صاحب قبر کی تعظیم کا قصد وارادہ کرکے قبر کی طرف نماز پڑھتا ہے تو اس صورۃ کو علماء کرام نے کفر لکھا ہے اور اگر یہ مذکور قصد وارادہ نہ ہو بلکہ نماز عبادت الٰہیہ کے طور پر کرتا ہے جیسے مسلمان کی شان ہے مگر اس نمازی کے سامنے قبر موجود ہو تو یہ اس پہلی صورۃ کے ساتھ ظاہراً تشبہ ہے اس لئے مکروہ ہے چنانچہ تسلی کے لئے ملاحظہ ہو مرقات شرح مشکوٰۃ جس میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔ ولو کان ھذا التعظیم حقیقۃ للقبر او لصاحبہ یکفر المعظم فالتشبہ بہ مکروہ وینبغی ان تکون کراھۃ تحریم وفی معناہ بل اولی منہ الجنازۃ الموضوعۃ وھو مما ابتلی بہ اھل مکۃ حیث یضعون الجنازۃ عند الکعبۃ ثم یستقبلون الیھا۔ مرقات جلد ۲ صفحہ ۳۱۳

تو اس عبارت سے واضح ہوا کہ مطلق صلوٰۃ الی القبر ممنوع بمعنی حرام نہیں کیونکہ پہلی صورۃ شان مسلمان سے بعید اور دوسری صورۃ مکروہ ہے حرام نہیں تو لفظ ممنوع دلیل مفتی صاحب میں بمعنی حرام غلط ہوا۔

اور اگر ممنوع کے معنی عام ہیں کہ حرام وکراہت تحریمی دونوں کو شامل ہیں تو ٹھیک ہے کہ صلوٰۃ الی القبر مکروہ ہے مگر یہ بتائیں کہ آپ کی دلیل کی دوسری جز کو آپ کونسا سہارا دیں گے اور کس طریق پر اسے صحیح کریں گے کیونکہ آپ نے صلوٰۃ الی القبر اور صلوٰۃ الی الحی والمیت میں

لفظ ودن لاکر فرق کر دیا حالانکہ آپ کو معلوم ہوا مندرجہ بالا عبارت ملا علی قاری سے کہ صلوٰۃ الی القبر اور صلوٰۃ الی المیت دونوں مکروہ تحریمی ہیں تو یہ فرق کہ ایک ممنوع بمعنی مکروہ اور دوسری دونوں جائز ہیں غلط ہے۔ تو ممنوع کا کلمہ دونوں میں سے کسی معنی پر صحیح نہیں ہو رہا ہے اور اگر صورۃ ثانیہ ہے یعنی لفظ صلوٰۃ سے صلوٰۃ جنازہ مراد ہے تو دلیل کا مطلب یہ ہوا کہ نماز جنازہ قبر کی طرف منہ کر کے پڑھنا ممنوع ہے اور زندہ اور میت کی طرف منہ کر کے نماز جنازہ پڑھنا ممنوع نہیں ہے۔ بحول مفتی صاحب بتائیے کہ جو میت بغیر جنازہ دفن کیا گیا ہو تو مفتیان عظام کیا فرمائیں گے کہ اس کی قبر کی طرف منہ کر کے اس میت کا جنازہ پڑھنا ممنوع ہے یا جائز؟ پھر مزید برآں مفتی صاحب کے فتویٰ سے معلوم ہوا کہ زندہ انسان کا جنازہ پڑھنا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے تو میری رائے ہے کہ مفتی صاحب کے اس فتویٰ پر سب سے پہلے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم صاحب اور مدرسین و طلبہ اس طریقہ سے عمل کریں کہ مہتمم صاحب امام ہو جائیں اور مدرسین و طلبا سیدھی صفیں باندھ کر مفتی صاحب کی طرف منہ کر کے مفتی صاحب کا نماز جنازہ نہایت خشوع و خضوع سے پڑھائیں اور ان الفاظ پر خاص توجہ دیں کہ اللھم اغفر لحینا ومیّتنا۔ اور شاید یہ فتویٰ بھی انہوں نے اسی لئے غلط لکھا ہے کہ وقت کتابت میں بقول ان کے ان کا جنازہ مکروہ نہیں تھا اور اگر تیسری صورت ہے یعنی صلوٰۃ سے مراد عام رکوع سجود والی ہو یا نہ ہو یعنی جنازہ ہو یہ سب نمازیں بجانب قبر پڑھنا ممنوع اور بجانب حی و میت پڑھنا ممنوع نہیں۔ یہ ہوا مفتی صاحب کی دلیل کا مطلب بصورۃ ثالثہ۔ اور اس صورہ پر وہی کلام رد کے لئے کافی ہے جو اس کے اجزاء پر ہم ابھی کر آئے کیونکہ یہ مجموعہ ہے انہی اجزاء کا جو مردود ہیں۔ تو اس تفصیل سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ یہ پہلی دلیل نہ صحیح ہے اور نہ اس سے مفتی صاحب کا مطلب ثابت ہوتا ہے تو اس دلیل کی تحریر کی زحمت گوارا کر کے مفتی صاحب نے اس مقولہ کی تصدیق کر دی کہ ملاں باشد کہ چپ نشود

دوسری دلیل میں فرمایا۔ ولما قالوا ان فی الحطیم مدفن لبعض الانبیاء

ہم پہلے عرض کر چکے کہ مفتی صاحب کو اجتہاد کا شوق تو ضرور ہے مگر بدنصیبی یہ ہے کہ ان کا علم ساتھ نہیں دے رہا شاید یہ اس قول کی تصدیق ہو جو علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے

اپنی کتاب شامی میں کیا ہے کہ سنہ ۴۰۰ھ کے بعد کوئی مجتہد پایا نہیں گیا آپ کو ابھی معلوم ہوگا کہ مفتی کا اجتہاد کتنا غلط ہے۔

اس دلیل سے کہ حطیم میں بعض انبیاء کے قبور موجود ہیں اور پھر بھی حطیم میں نماز جائز ہے مفتی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صورۃ مسئولہ میں جو کہ ایک مسلمان کی قبر تھی اس پر بھی نماز پڑھنا جائز ہے تو تفصیل سے یوں کہئے کہ مفتی صاحب مقابر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں جواز صلوٰۃ پر مقابر غیر انبیاء کو قیاس کر کے اجتہادی قوۃ سے مقابر غیر انبیاء میں بھی جواز صلوٰۃ ثابت کرنا چاہتے ہیں ہمیں افسوس ہے کہ مفتی صاحب کے اس قیاس کو غلط ثابت کرنے کے لئے علماء تصریحات کر چکے ہیں کہ مقابر انبیاء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور مقابر غیر انبیاء میں مکروہ لہٰذا حطیم میں (جو کہ مقبرہ انبیاء ہے) نماز جائز ہے لیکن اس جواز سے یہ استدلال غلط ہے کہ صورۃ مسئولہ میں جو قبر ہے اس پر بھی نماز جائز ہے۔ اطمینان قلبی کے لئے ملاحظہ ہو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ لملا علی القاری الحنفی جلد اول ۴۷۵ مطبع رحیمیہ پشاور۔

قال ابن حجر اشار الشارح الی استشکال الصلوٰۃ عند قبر اسمعیل بانها تکره فی المقبرة واجاب بان محلها فی مقبرة منبوشة لنجاستها و کله غفلة عن قولهم یستثنیٰ مقابر الانبیاء فلا یکره الصلوٰۃ فیها مطلقا لانهم احیاء فی قبورهم وعلی التنزل فجوابه غیر صحیح لتصریحهم بکراهة الصلوٰۃ فی مقبرة غیر الانبیاء وان لم تنبش لانه محاذ للنجاسة ومحاذاتها فی الصلوٰۃ مکروهة سواء کانت فوقه او خلفه او تحت ماهو واقف علیه۔

اس عبارت سے بخوبی واضح ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقبرہ میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں بلکہ جائز ہے اور اسی مرقاۃ کے اسی صفحہ سے ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیے جس سے معلوم ہوگا کہ حطیم شریف نیز حجر اسود اور چاہ زمزم کے درمیان میں قبور انبیاء ہیں ملاحظہ ہو۔ وذکر غیره ان صورة قبر اسمٰعیل علیه السلام فی

الحجر تحت المیزاب دان فی الحطیم بین الحجر الاسود و زمزم قبر سبعین
نبیاء معلوم ہوا کہ حطیم اور زمزم و حجر اسود کا درمیان یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقبرہ
ہے اور ابن حجر کے مندرجہ بالا قول سے معلوم ہوا کہ مقبرہ انبیاء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اسی
عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقبرۂ غیر انبیاء میں نماز مکروہ ہے
تو ہم مفتی صاحب کے ساتھ اس مصیبت میں کیا ہاتھ بٹھا سکتے ہیں کہ ان کے اجتہادی قیاس
کو علامہ ابن حجر نے غلط کر دیا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ اگر مقابر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں نماز جائز ہے۔
تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے جس میں حضور نے فرمایا کہ لعن اللہ الیہود والنصارٰی
اتخذوا قبور انبیائھم مساجد جب کہ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصارٰی
پر لعنت اسی وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے قبور انبیاء سے مساجد بنایا یعنی ان میں نماز پڑھا کرتے
تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس فعل سے منع فرمایا جیسے بعض روایات
میں یہ جملہ بھی ہے کہ (یحذر مثل ما صنعوا) لہٰذا اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ مقابر انبیاء
میں بھی نماز ناجائز ہے۔

ازالہ:۔ حدیث شریف مذکور یا اس کے ہم مفہوم بہت سی احادیث حتیٰ کہ ابن حزم
نے کہا ہے کہ اس مفہوم پر احادیث تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں۔ ان احادیث میں جس چیز سے
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ وہی چیز ہے جو یہود و نصارٰی کے لئے سبب لعنت
بنی اور وہ ہے انبیاء کے قبور پر مسجد بنانا جیسے الفاظ حدیث سے واضح ہے کہ اتخذوا
قبور انبیائھم مساجد یعنی یہود و نصارٰی نے اپنے انبیاء کی قبروں سے مسجدیں بنائی۔
اور یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مسجد خاص ہے اور موضع الصلوٰۃ عام ہے بلحاظ امت محمدیہ
علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم تو گویا حدیث مذکور میں منع وارد ہوتی اس بات سے کہ کوئی شخص
انبیاء کے قبور کو یا کسی نبی کی قبر کو مسجد بنائے یا مسجد میں شامل کرے اگرچہ محدثین نے بطور مسجد
میں شامل کرنے کے اعتبار سے انبیاء و غیر انبیاء دونوں کے قبور کو حرام لکھا ہے تاہم اس حدیث

سے زائد سے زائد یہ ثابت ہوگا کہ کسی بھی قبر کو مسجد بنانا حرام ہے اور مسجد میں شامل کرنا حرام ہے تو یہ نہی خاص سے ہے اور نہی عن الخاص نہی عن العام نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا اس حدیث سے مقابر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں نماز پڑھنے کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا۔

اگرچہ جواز الصلوٰۃ فی مقابر الانبیاء کے تو مفتی صاحب بھی قائل ہیں جیسے ان کی اس دلیل سے پتہ چلتا ہے کہ و لما قالوا ان فی الحطیم مدفن بعض الانبیاء لیکن انبیاء کے قبور پر مسجد بنانا مفتی صاحب بھی جائز نہیں جانتے ہوں گے جیسے کہ اوپر کی حدیث اس پر ناطق ہے لہٰذا ہمارے اور مفتی صاحب کے نزدیک یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ مقابر انبیاء میں نماز جائز اور ان کی قبور پر مسجد بنانا ناجائز حرام تو حدیث بالا کا مفہوم مفتی صاحب کے نزدیک بھی یہی ہوگا کہ قبور انبیاء پر مساجد بنانے سے حضور نے نہی فرمائی ہے اور اس حدیث میں نماز پڑھنے سے ان کی قبور پر منع نہیں ہے۔

مگر مزید وضاحت کے لئے ایک حوالہ کتاب ملاحظہ ہو۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی اپنی کتاب ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری جلد ا ص۴۳۰ میں فرماتے ہیں۔ قال فی التوشیح ویستثنیٰ مقبرۃ الانبیاء فلا کراھۃ فیہا لان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجسادھم وانھم احیاء فی قبورھم یصلون ولا یشکل بحدیث لعن اللہ الیھود اتخذوا قبور انبیائھم مساجد لان اتخاذھا مساجد اخص من مجرد الصلوٰۃ فیھا والنھی عن الاخص لا یستلزم النھی عن الاعم۔ ارشاد الساری جلد ا ص۴۳۰

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مساجد بنانا ممنوع اور حرام لیکن اس سے عدم جواز الصلوٰۃ لازم نہیں لہٰذا انبیاء کے مقابر میں نماز پڑھنا جائز جیسے کہ ابھی قسطلانی کی عبارت اور ابن حجر کی عبارت سے معلوم ہوا اور مفتی صاحب کی دلیل سے بھی یہی واضح ہے لیکن مفتی صاحب کا یہ اجتہاد غلط ہے کہ قبور غیر انبیاء کو قبور انبیاء پر قیاس کر دیا جائے اور غیر انبیاء کے قبور پر بھی جواز صلوٰۃ کا فتویٰ صادر کر دیا جائے جیسے مفتی صاحب

نے صادر فرمایا ہے۔ لہٰذا اب خلاصہ یہ ہوا کہ مفتی صاحب کی یہ دوسری دلیل بھی حسب سابق نفتی صا
کے کام آئی کیونکہ صورۃ مسؤلہ میں ایک مسلمان کی قبر ہے اور ظاہر ہے کہ کسی نبی کی قبر یہ سوالہ سے
متعلق استفتاء نہیں جس کی قبر پر صحۃ صلوٰۃ کا فتویٰ صادر کر دیا جاتے - تو نتیجہ یہ نکلا کہ قبور
پر مسجد بنانا اور انہیں مسجد میں شامل کرنا حرام. خواہ وہ قبور انبیاء کی ہوں یا غیر انبیاء کی اور قبور
انبیاء میں نماز پڑھنا جائز اور قبور غیر انبیاء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(نوٹ) دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے مفتی صاحب کا فتویٰ ماقبل تحقیق سے معلوم
ہوا کہ بے ربط اور غلط باتوں کا مجموعہ ہے لیکن بایں ہمہ میں نے اس کی تردید میں نہایت اختصار
سے کام لیا اور جوابات بہت ضروری سمجھی صرف وہی کی اور رد کے تئے فقہاء محدثین کی
کثیر عبارات نقل کرنے سے بھی بغرض اختصار احتراز کیا کیونکہ خیر الکلام ما قل ودل وما یمل.
صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا وشفیعنا وسیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

(بحث ثانی صحیح فتوے)

اب چونکہ مذکورہ استفتاء میری طرف بھی آیا ہے۔ لہٰذا میری طرف سے بفضلہ تعالیٰ
وتوفیقہ اسی استفتاء کا جواب مندرجہ ذیل ہے۔

(الجواب وھو الموفق للصواب و منہ الوصول
الی سبیل الرشاد)

اس استفتاء کے دو اجزاء ہیں.

نمبر ۱:- یہ کہ قبر کو مسجد میں شامل کرنا.

نمبر ۲:- یہ کہ اس قبر پر نماز پڑھنا

جائز ہیں یا نہ ؟

جز نمبر ۱:- کا جواب یہ ہے کہ قبر خواہ انبیاء میں سے کسی کی ہو یا غیر انبیاء کی اس کو مسجد
میں شامل کرنا حرام ہے کیونکہ مسجد میں شامل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبر بلا نبش میت کو
مسجد کر دیا گیا اور قبر کو مسجد کر دینا حرام ہے۔ اگرچہ اس جز کی کچھ وضاحت ماقبل کی تحقیق

سے ہوتی مگر مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو مسلم شریف جلد ا صفحہ ۲۰۱ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور واتخاذ الصور فیھا والنھی عن اتخاذ القبور مساجد۔

حدیث ۱:۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اولٰئک اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجد او صوروا فیہ تلک الصور اولٰئک شرار الخلق عند اللہ عزوجل یوم القیامۃ

حدیث ۲ ان ابا ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاتل اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد

حدیث ۳ فقال وھو کذالک لعنۃ اللہ علی الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد یحذر مثل ما صنعوا۔

حدیث ۴ :۔ الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انھاکم عن ذالک۔

اگرچہ اس مفہوم پر احادیث کی تعداد معنوی تواتر تک پہنچ چکی ہے جیسے ابن حزم نے لکھا ہے مگر مسلم شریف سے یہ چند احادیث کے کلمات لفظ نقل کر دیئے گئے۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر مسجد بنانا۔ یہود کی سنت ہے ساتھ ساتھ اگرچہ وہ قبر غیر نبی کی ہو پھر بھی اس فعل قبیح کا مرتکب بروز قیامت خدا کے نزدیک بدترین مخلوق ہوگا۔ (العیاذ باللہ)

دوسری اور تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ قبور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی مسجد بنانا سبب لعنۃ الٰہیہ ہے اور تیسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جیسے اس فعل قبیح سے اپنی امت کو ڈرایا۔

چوتھی حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ یہود انبیاء وغیر انبیاء یعنی صالحین کے قبور سے مسجدیں

بنایا کرتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں صاف نہی فرمادی کہ قبور سے مسجدیں نہ بناؤ میں اس فعل سے تمہیں منع کرتا ہوں۔

لہٰذا مندرجہ بالا احادیث سے مجموعی طور پر معلوم ہوا کہ قبر خواہ نبی کی ہو یا غیر نبی کی اس سے مسجد بنانے پر نہی وارد، اور سبب لعنۃ الٰہیہ اور مشابہت یہود اور قیامت کے دن قبر سے مسجد بنانے والا مخلوق خدا میں سے بدترین مخلوق ہوگا۔ لہٰذا ان وعیدات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل حرام ہے۔ جیسے تصریحات محدثین میں آجائے گا۔ اب قابل وضاحت یہ امر ہے کہ یہود و نصاریٰ جو اپنے انبیاء کے قبور سے مساجد بنایا کرتے تھے تو وہ قبر سے بدن مبارک نکال کر یعنی نبش کرتے تھے یا بغیر نکالے قبر سے مسجد بنایا کرتے تھے تو ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۷۴ ج ۴

وقال البندنیجی والمراد ان یسوی القبر مسجدا فیصلی فوقہ

حدیث ۱۰۔ جو ہم نے مسلم سے نقل کی ہے یہی حدیث امام بخاری نے باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ویتخذ مکانھا مساجد میں نقل فرمائی اور اسی کے تحت علامہ بدرالدین عینی نے یہ بالا قول نقل فرمایا اور اس عبارت سے واضح ہے کہ یہود و نصاریٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور سے ابدان مبارکہ نہیں نکالا کرتے تھے بلکہ بلا نبش قبر کو ہموار کر کے مسجد بنایا کرتے تھے۔ مزید ملاحظہ ہو فیض الباری شرح بخاری جلد ۲ ص ۴۳ فرمایا۔

ولکنھم کانوا یبنون علیھا المساجد مع ابقائھا علی حالھا۔ اصل میں علامہ کرمانی جن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود قبر سے نبش کر کے مساجد بناتے تھے پر شاہ انور شاہ کاشمیری صاحب رد کرنا چاہتے ہیں کہ ایسا نہیں بلکہ قبر کو اپنی حالت پر رکھتے ہوئے اس سے مسجد بنایا کرتے تھے یعنی نبش نہیں کرتے تھے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ احادیث مذکورہ میں وعیدات حقیقت میں بلا نبش یعنی میت کو نکالے بغیر اس کی قبر سے مسجد بنانے پر وارد ہیں۔ لہٰذا بغیر نبش میت اس کی قبر کو مسجد بنانا حرام ہے چنانچہ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری یہی جلد اور صفحہ۔ فرمایا

قال ابن بطال فیہ نہی عن اتخاذ القبور مساجد۔ اس حدیث میں قبور

سے مسجد بنانے کی نہی ہے

آگے چل کر اسی صفحہ پر فرمایا۔ وفیہ منع بناء المساجد علی القبور ومقتضاہ التحریم کیف وقد ثبت اللعن علیہ۔ اس حدیث میں قبور پر مساجد بنانے سے منع ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ فعل حرام ہے اور حرام کیوں نہ ہوگا جب کہ اس پر لعنت وارد ہے۔ مزید ملاحظہ ہو علامہ شہاب الدین قسطلانی اپنی کتاب ارشاد الساری شرح بخاری میں رقمطراز ہیں اسی حدیث بالا کے تحت فرمایا۔ وھو مؤول علی مذمۃ من اتخذ القبر مسجدا او مقتضاہ التحریم لا سیما وقد ثبت اللعن علیہ۔ ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ جو شخص قبر سے مسجد بناتا ہے یہ حدیث شریف اس کی مذمت پر وارد ہے اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ کام حرام ہے بالخصوص جب کہ اس پر لعنت ثابت ہے مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری شرح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۳۰ فرمایا۔

ویتناول من اتخذ امکنۃ قبورھم مساجد۔ یہ حدیث اس شخص پر بھی مشتمل ہے جو قبور کی جگہوں سے مسجدیں بناتا ہے یعنی اس حدیث میں اس شخص پر بھی لعنت ہے جو قبر کی جگہ کو مسجد میں شامل کر کے اسے مسجد بناتا ہے۔

اگرچہ مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہوا کہ قبر سے مسجد بنانا حرام ہے۔ مگر مزید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں جو رونگٹے کھڑے کرنے والی ہے جیسے علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اپنی تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۲۳۷ میں نقل فرمایا۔ واحمد والطبرانی ان من شرار الناس من تدرکھم الساعۃ وھم احیاء من یتخذ القبور مساجد۔ یعنی لوگوں میں سے بدترین لوگ جن کو قیامت پائے گی اور وہ زندہ ہوں گے وہ لوگ ہیں جو قبروں سے مسجدیں بنائیں گے مطلب یہ ہوا کہ قبروں سے مسجدیں بنانے والے لوگوں پر قیامت قائم ہوگی جو کہ شرار الناس ہیں۔

قیامت آخر دو چار آدمیوں پر تو قائم نہ ہوگی۔ بلکہ ایک جماعت اور گروہ پر

قائم ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ جماعت اور گروہ بنانے والے اس کے لیڈر اور راہنما ہوا کرتے ہیں اگر اس روشنی میں ہم مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے کردار اور فتویٰ کو پرکھیں تو بلا کسی تکلف کے واضح ہوتا ہے کہ مفتی صاحب موصوف اور ان کے ہمنوا اس گروہ اور جماعت کے لیڈر اور راہنما ہیں جن پر قیامت قائم ہوگی کیونکہ اس قسم کے فتووں سے ہی عوام ہیں بلکہ بعض اسمی خواص میں خیال راسخ ہو گا کہ قبروں سے مساجد بنانا جائز ہے (العیاذ باللہ) اور اس پر عمل شروع ہوگا اور پھر انہیں لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔ اللہ تعالےٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور ان کی طفیل اس عمل قبیح سے جملہ مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھے آمین ثم آمین۔

جزء ۲ کا جواب:۔

قبر پہ نماز پڑھنا فقہاء حنفیہ کی تصریحات کے مطابق مکروہ ہے نیز محدثین شافعیہ اور حنفیہ کا کلام بھی اسی پر ناطق ہے چنانچہ سب سے پہلے امام الامت کاشف الغمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ کا مذہب ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ بدر الدین عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۷۳ میں فرماتے ہیں۔ وذهب الثوری وابو حنیفه والاوزاعی الی کراهة الصلوٰة فی المقبرة۔ امام ثوری و امام اوزاعی کے ساتھ ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ مقبرہ میں نماز کی کراہت کے قائل ہیں اور ایسا ہی ارشاد الساری شرح بخاری میں جلد ۱ ص ۴۳ میں علامہ شہاب الدین قسطلانی امام اعظم کا مذہب نقل فرماتے ہیں۔ وذهب ابو حنیفة الی الکراهة مطلقا۔ یعنی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقبرہ منبوشہ وغیر منبوشہ کا فرق نہیں کیا بس مطلقاً مقبرہ میں نماز کو مکروہ فرمایا۔

اب ملاحظہ ہو کہ قبر کے اوپر نماز مکروہ ہے۔ اسی علامہ قسطلانی نے اسی جلد کے ص ۴۲۹ میں امام بخاری کے ترجمۃ الباب (ما یکرہ من الصلوٰۃ فی القبور) میں کراہۃ کی تعمیم کرتے ہوئے فرمایا۔ سواء کانت علیها او الیها او بینها۔ قبروں کے اوپر، قبروں کی طرف اور قبروں کے بیچ تینوں صورتوں میں نماز مکروہ ہے اور ایسا ہی فتح الباری میں علامہ ابن حجر

عسقلانی فرماتے ہیں۔ و فیہ کراھۃ الصلوٰۃ فی المقابر سواء کانت بجنب القبر او
علیہ۔ الخ فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۴۳۳ اس حدیث میں مقابر میں نماز پڑھنا چاہے قبر کی طرف میں
ہو اور چاہے قبر کے اوپر مکروہ بتایا گیا ہے۔ نیز فقہا حنفیہ میں سے صاحب بحرالرائق نے اپنی
اسی کتاب بحرالرائق جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ میں فرمایا۔ و فی المجتبیٰ ویکرہ ان یطاء القبر
او یجلس او ینام علیہ او یقضی علیہ حاجۃ من بول او غائط او یصلی علیہ
او الیہ ثم المشی علیہ یکرہ۔

مجتبیٰ میں ہے کہ قبر کو پاؤں سے تاڑنا، قبر پہ بیٹھنا، سونا اور اس پر چھوٹا یا بڑا پیشاب
کرنا یا قبر پر نماز پڑھنا یا اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا سب مکروہ ہیں۔ پھر قبر پر
چلنا بھی مکروہ ہے ان تصریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ قبر کو مسجد میں شامل کرنا
یا قبر پر نماز پڑھنا یہ دونوں کام شرعاً ناجائز ہیں مگر یہ امر پھر بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ کراھۃ
الصلوٰۃ علی القبر حنفیہ و شوافع دونوں کے نزدیک مقید ہے۔ بصورۃ قبر غیر نبی کیونکہ انبیاء علیہم
الصلوٰۃ والسلام کے قبور مبارکہ میں بلا کراھۃ نماز پڑھنا جائز ہے۔ جیسے پہلے گزر چکا ہے

(بحث ثالث۔ چند سوالات اور ان کے جوابات)

سوال ۱۔ علامہ بدرالدین عینی نے شرح صحیح بخاری میں جلد ۴ صفحہ ۱۷۹ پر مندرجہ ذیل
سوال و جواب نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقابر سے مساجد بنانا جائز ہے۔ فرمایا
(فان قلت) ھل یجوز ان تبنیٰ المساجد علی قبور المسلمین (قلت) قال
ابن القاسم لوان مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنیٰ قوم علیھا مسجدا لم
أر بذالك باسا و ذالك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن
موتاھم لایجوز لاحد ان یملکھا فاذا درست و استغنی عن الدفن فیھا
جاز صرفھا الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لایجوز
تملکہ لاحد فمعناھما علی ھذا واحد۔ (اگر تم نے کہا کہ کیا قبور مسلمین پہ
مسجدیں بنانا جائز ہیں؟ (تو میں کہتا ہوں جواباً) ابن القاسم نے فرمایا کہ اگر مقابر مسلمین

میں سے ایک مقبرہ مٹ جائے اور کوئی اس پر مسجد بنائے تو مجھے اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مقابر مسلمانوں کی اوقاف میں سے ان کے اموات کے دفن کرنے ہیں کسی کے لئے جائز نہیں کہ اسے اپنی ملکیت میں لے تو جب وہ مٹ جائیں اور ان میں دفن کی ضرورت نہ رہے تو پھر انہیں مسجد میں استعمال کرنا جائز ہے۔ کیونکہ مسجد بھی اوقاف مسلمین میں سے ایک وقف ہے جس کا تملک کسی کے لئے جائز نہیں بنابریں دونوں کا معنی ایک ہے اس کے کئی جوابات ہیں۔ جواب نمبر۱ علامہ بدر الدین عینی بذات خود تو ایک محقق حنفی عالم ہیں مگر شرح بخاری میں جیسے ان کے تبحر علمی کا تقاضا ہے اقوال علماء مذاہب مختلفہ نقل کرتے ہیں چنانچہ یہ ابن القاسم جن کا قول علامہ بدر الدین عینی نے نقل فرمایا ایک مالکی عالم ہیں اور وہ بھی ابن القاسم فرماتے ہیں کہ مجھے اس میں حرج نظر نہیں آتا، مطلب یہ کہ یہ ابن القاسم کی اپنی رائے اور ان کا نظریہ ہے جس پر انہوں نے قول کیا کہ مقبرہ سے مسجد بنانا جائز ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک مالکی عالم کا قول اور وہ بھی ان کی اپنی ذاتی رائے جو ان کے امام کا قول بھی نہیں علماء حنفیہ کے نزدیک قطعاً حجت نہیں۔

جواب نمبر۲۔ مزید برآں علامہ ابن القاسم نے جو دلیل دی ہے وہ اپنی جگہ پر صحیح بھی نہیں۔ ان کی دلیل انہوں نے (وذالک لان المقابر الخ) سے شروع کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مقبرہ اور مسجد میں سے ہر ایک چونکہ وقف من اوقاف المسلمین ہے اور ہر ایک مملوک نہیں ہو سکتا لہٰذا اس اتحاد معنوی کی وجہ سے مقبرہ جو مٹ گیا ہو اس سے مسجد بنانا جائز ہے تو عرض ہے کہ محض وقف وغیر مملوکیت میں اشتراک بین شیئین ظاہر ہے کہ ان شیئین میں سے ایک دوسرے سے تبدیل کرنے کے جواز کے لئے دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ کتاب الوقف تمام کتب مذہب حنفی میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ تغیر جہتہ وقف بغیر اشتراط واقف ناجائز ہے۔ اور اگر محض اشتراک فی الوقفیۃ تبدیل کے جواز کے لئے کافی ہو تو پھر سرائے، مقبرہ، مسجد، ہسپتال اور دار العلوم وغیرہا سب وقف میں جب شریک ہوں تو پھر ایک کو دوسرے سے تبدیل کرنا جائز ہونا چاہیئے تو اس دلیل کو اگر صحیح مانا جائے تو جب مسجد سے مقبرہ اور مسجد سے سرائے اور

ہسپتال اور اصطبل وغیرہا بنانا بھی جائز ہو جائے گا جو کہ انتہائی قباحت اور مسجد میں
افعال محرمہ کے ارتکاب تک پہنچا دے گا تو معلوم ہوا کہ یہ دلیل اپنی جگہ پر صحیح نہیں۔

جواب ۳۔ تصریحات فقہاء مذہب حنفی کے بھی یہ خلاف ہے کہ مقبرہ سے مسجد یا مسجد
سے مقبرہ بنایا جائے کیونکہ واقف نے زمین کو جس جہتہ کے لئے وقف کی ہے اسی جہت پر
وقف محبوس ہوگا تو اگر مسجد کے لئے وقف ہوئی ہے تو وہ ابدا مسجد ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو بحر الرائق
جلد ۵ ص۲۷۰ فرمایا و لم یذکر المصنف حکم المسجد بعد خرابہ و قد اختلف
فیہ الشیخان فقال محمد اذا خرب ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس
عنہ لبناء مسجد آخر اولخراب القریتہ اولم یخرب ولکن خربت القریتہ
بنقل اھلہا واستغنوا عنہ فانہ یعود الی ملک الواقف او ورثتہ وقال ابو
یوسف ھو مسجد ابدا الی قیام الساعتہ لا یعود میراثا و لا یجوز نقل مالہ الی
مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا وھو الفتوی کذا فی الحاوی
القدسی وفی المجتبیٰ واکثر المشائخ علی قول ابی یوسف ورجح فی فتح القدیر
قول ابی یوسف بانہ الاوجہ ۔ مصنف نے مسجد ویران کا حکم ذکر نہیں کیا اور شیخین نے
اس میں اختلاف کیا امام محمد نے فرمایا کہ جب مسجد ویران ہو جائے اور اس پر تعمیر کے لئے درکار
خرچ نہ ہو اور اسے لوگوں کی ضرورت بھی نہ رہے دوسری مسجد کی آبادی کی وجہ سے یا بستی کی
ویرانی کی وجہ سے یا مسجد تو ویران نہیں ہوئی مگر بستی اس طریق سے ویران ہوئی کہ وہاں کے
رہنے والے کسی اور جگہ منتقل ہو گئے اور مسجد کی ضرورت نہ رہی تو اب یہ مسجد واقف کی ملکیت
میں واپس ہو جائے گی۔ اگر زندہ ہے ورنہ اس کے ورثہ کی ملکیت ہو جائے گی۔ اور امام
ابو یوسف نے فرمایا کہ (مندرجہ بالا سب صورتوں میں) وہ بہر حال مسجد ہے اور ہمیشہ کے لئے
تا قیام قیامت وہ مسجد ہی رہے گی (ملکیت میں واپس نہیں آئے گی) میراث نہیں بنے گی
لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں اس کے مال کو دوسری مسجد میں لے جانا بھی ناجائز ہے اور
یہی فتویٰ ہے ایسا ہی حاوی قدسی میں ہے۔ مجتبیٰ میں ہے کہ اکثر مشائخ امام ابی یوسف کے قول

پر ہیں۔ فتح القدیر میں امام ابن ہمام نے امام ابی یوسف کے قول کو ترجیح دی اور اسے اوجہ فرمایا۔

مزید بیان ملاحظہ ہو۔ وبه علم ان الفتویٰ علی قول محمد فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تأبید المسجد بحر جلد ۵ صفحہ ۲۷۳ اس سے معلوم ہوا کہ آلات مسجد میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے اور تأبید مسجد میں امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جو قطعہ زمین مسجد کے لئے ایک مرتبہ وقف ہو جائے وہ ہمیشہ کے لئے تاقیامت مسجد ہی رہے گی۔ ملک واقف میں واپس نہیں جاتا۔ تو پھر اس قطعہ زمین سے کوئی واقف بھی مقبرہ نہیں بنا سکتا کیونکہ اب تو وہ قطعہ اس کی ملکیت میں ہی نہیں اور عند الوقف اس نے اس کی جہت متعین کر دی تھی جو کہ مسجد ہے لہٰذا مسجد سے مقبرہ نہیں بن سکتا مزید بیان ایک اور تصریح بھی ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ ہندیہ جلد ۲ صفحہ ۴۷۰ سئل القاضی الامام شمس الائمه محمود الاوزجندی عن مسجد لم یبق له قوم وخرب ماحوله واستغنی الناس عنه هل یجوز جعله مقبرة قال لا۔ قاضی امام شمس الائمہ محمود اوزجندی سے اس مسجد کے متعلق سوال ہوا جس کی قوم نہ رہی اور اس کا ارد گرد علاقہ ویران ہوا اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہی ہو کیا اس مسجد سے مقبرہ بنانا جائز ہے؟ (جواب میں) فرمایا کہ نہیں۔ نیز مقبرہ سے مسجد بنانا بھی جائز نہیں۔ چنانچہ اسی قاضی محمود اوزجندی رحمہ اللہ تعالےٰ سے سوال ہوا۔ ملاحظہ ہو۔ وسئل هو ایضًا عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیره، هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرة کذا فی المحیط۔ انہی قاضی صاحب سے یہ بھی سوال ہوا کہ بستیوں میں ایسا مقبرہ جو مٹ جائے اور اس میں اموات کا نشان نہ رہے نہ ہڈی اور نہ کوئی اور چیز تو کیا ایسے مقبرے کی کھیتی باڑی اور اجارہ پر دینا جائز ہے (جواب میں) فرمایا نہیں اور اس کا حکم مقبرہ کا ہے۔ صراحۃً اگرچہ یہ سوال زراعت و استغلال سے ہے مگر جواب عام ہے جس میں فرمایا کہ (ولها حکم المقبرة) تو جب حکم مقبرہ پر رکھنا واجب ہوا تو مسجد بنانا ظاہر ہے کرنا جائز ہوا۔ کیونکہ جب مسجد بنا دیا جائے گا تو حکم مقبرہ تو نہ رہے گا لہٰذا جہت وقف میں

تغیر آئے گا۔ چنانچہ اسی پر مصحح فتاویٰ ہندیہ نے اسی عبارت کے تحت تصریح کر دی فرمایا
لان المانع ھنا کون المحل موقوفاً علی الدفن فلا یجوز استعمالہ فی غیرہ
زراعت وغیرہا سے اس مقام پر مانع یہ ہے کہ جگہ دفن کے لئے وقف ہے لہٰذا اس جگہ کا
استعمال غیر دفن میں جائز نہیں۔ تو واضح ہوا کہ مقبرہ سے مسجد بنانا بھی جائز نہیں کیونکہ یہی تغیر
جہت وقف لازم ہوگا۔ تو اس مختصر تحریر سے ثابت ہوا کہ علامہ ابن القاسم کی دلیل تصریحات
فقہاء حنفیہ کے مخالف بھی ہے تو اپنے مذہب کی تصریحات کو چھوڑ کر ایک مالکی عالم اور وہ بھی ان
کی رائے اور وہ بھی ایسی دلیل پر مبنی جو فی نفسہ صحیح نہ ہونے کے ساتھ ساتھ تصریحات کے مخالف
ہو اختیار کرنا ناشائستہ اور بالخصوص شان علماء سے لائق نہیں۔

سوال ۲؎ علامہ بدر الدین عینی مندرجہ بالا عبارت (قال ابن القاسم الخ) کے بعد ذکر اصحابنا
سے جو عبارت چلاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے بلکہ تصریح کرتے ہیں کہ مقبرہ سے مسجد بنانا جائز
ہے جب کہ وہ مقبرہ مٹ جائے چنانچہ ملاحظہ ہو فرمایا۔ وذکر اصحابنا ان المسجد
اذا خرب ودثر ولم یبق حولہ جماعۃ والمقبرۃ اذا عفت ودثرت
تعود ملکا لاربابھا فاذا عادت ملکا یجوز ان یبنی موضع المسجد دارا و
موضع المقبرۃ مسجد او غیر ذالک فاذا لم یکن لہا ارباب تکون لبیت المال
عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۱۷۹

ہمارے اصحاب نے ذکر فرمایا کہ مسجد جب ویران اور مٹ جائے اور اس کے ارد گرد
لوگوں کی جماعت باقی نہ رہے اور مقبرہ کا جب نشان نہ رہے اور مٹ جائے تو واپس اپنے (قدیم)
مالکوں کی ملکیت میں چلا جاتا ہے تو جب ملکیت ہوا تو جائز ہے کہ مسجد کی جگہ پر گھر اور مقبرہ کی
جگہ پر مسجد یا کوئی اور چیز تعمیر کی جائے اور اگر اس کے قدیم مالکوں میں سے کوئی زندہ نہ ہو
تو پھر وہ بیت المال کی ملکیت ہوگا۔

جواب۔ اس عبارت کا جواب سوال ۱؎ کے جواب ۳؎ میں پوری وضاحت کے ساتھ
بحر الرائق جلد ۵ ص ۲۷۱ کی عبارت سے آگیا مگر مزید وضاحت کے لئے عرض کر دیا جاتا ہے کہ

اس عبارت میں مسجد سے مقبرہ یا مقبرہ سے مسجد یا ان دونوں میں سے گھر بنانا جب ان میں سے ہر ایک اپنی منفعت سے نکل جائے۔ ان تبدیلیوں کا مدار علامہ بدرالدین عینی نے اس قول پر رکھا کہ جب مقبرہ مٹ جائے۔ اور ایسی ہی مسجد ویران و بے ضرورت رہ جائے تو ان دونوں کی جگہ یعنی وہ زمین واپس واقف کی ملکیت میں آجاتی ہے۔

حالانکہ مذکورہ بالا عبارت بحرالرائق سے واضح ہوا کہ یہ مسئلہ شیخین کے نزدیک اختلافی ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا یہی قول ہے کہ صورۃ مذکورہ میں ملکیت واقف میں واپس آجاتی ہے تو یہ معلوم ہوا کہ علامہ بدرالدین عینی کی عبارت میں اصحابنا سے مراد امام محمد اور ان کے ہم رائے علماء ہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے کہ وقف زمین مقبرہ یا مسجد اگر بے ضرورت بھی رہ جائے اور مقبرہ اگر چہ مٹ جائے مگر وہ ملکیت واقف میں واپس نہیں جاتا بلکہ وہ تا قیامت اگر مقبرہ ہے تو مقبرہ ہی کے حکم میں رہے گا اور اگر مسجد ہے تو مسجد ہی رہے گا لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں جیسا کہ عبارت بحرالرائق سے واضح ہوا کہ مفتی بہ قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول مرجوح ضعیف ہے، چنانچہ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۵۲۸ فرمایا۔ واما عود الوقف بعد خرابہ الی ملک الواقف او ورثتہ فقد قدمنا ضعفہ۔ وقف کی ویرانی کے بعد اس کا ملکیت واقف یا اس کے ورثہ کی ملکیت میں واپس آنے کے قول کا ضعف ہم پہلے بیان کر چکے۔

نیز اسی شامی جلد ۳ صفحہ ۵۱۱ میں فرمایا۔ وفی الدر المنتقی وقدم فی التنویر والدرر والوقایہ وغیرھا قول ابی یوسف وعلمت ارجحیتہ فی الوقف والقضاء۔ در منتقی میں ہے کہ تنویر، درر، اور وقایہ وغیرہا کتب میں امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کو مقدم رکھا گیا ہے اور جان چکے کہ امام ابو یوسف کا قول وقف اور قضا میں راجح ہوا کرتا ہے تو ان عبارات سے معلوم ہوا کہ وہ قول جو علامہ بدرالدین عینی نے نقل کیا ہے وہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے۔ جو کہ مرجوح ضعیف ہے۔ اب یہ بھی ملاحظہ ہو کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا بھی جائز نہیں اور نہ اس پر عمل جائز۔ چنانچہ ملاحظہ ہو درمختار جلد ۱ صفحہ ۶۹

بحث رسم المفتی میں فرمایا۔ وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع قول مرجوح پر حکم کی بنار کھنا یا اس پر فتویٰ دینا جہل ہے اور اجماع کے خلاف ہے نیز اسی کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے علامہ شرنبلالی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا مقتضی مذھب الشافعی کما قالہ السبکی منع العمل بالقول المرجوح فی القضاء والافتاء دون العمل لنفسہ ومذھب الحنفیۃ المنع عن المرجوح حتی لنفسہ لکون المرجوح صار منسوخا۔ شامی جلد ۱ صفحہ ۶۹ علامہ سبکی کے قول کے مطابق امام شافعی کے مذہب کا مقتضی تو یہ ہے کہ قضا اور فتویٰ دینا قول مرجوح پر ممنوع ہے اور اپنے لئے اس پر عمل ممنوع نہیں اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مرجوح پر عمل اپنے لئے بھی ممنوع ہے کیونکہ مرجوح منسوخ ہو چکا ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہوا کہ یہ قول جو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے مرجوح ہے اور اس پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے اور فتویٰ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ثابت ہوا تو قول مفتی بہ پر وقف مسجد یا مقبرہ کی زمین غیر منتفع بہ ہونے کی صورت میں بھی وقف ہی رہے گی۔ اور اسی جہت پر رہے گی جس کے لئے وقف کی گئی ہے تو ثابت ہوا کہ مقبرہ اگر مٹ جائے اور مسجد اگر ویران ہو کر بے ضرورت رہ جائے تو پھر بھی قول مفتی بہ کے مطابق مسجد سے مقبرہ یا مقبرہ سے مسجد یا دونوں سے گھر وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے۔

سوال ۳: کیا مسجد نبوی جس قطعۂ زمین پر بنی ہے مسجد سے قبل اس میں قبور نہیں تھیں جن پر بعد ازاں مسجد بنائی گئی۔

جواب:۔ یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ پر مسجد نبوی بنائی اس جگہ کے ایک حصہ میں قبور واقع تھیں مگر وہ قبور مسلمانوں کی نہیں بلکہ مشرکین کی تھیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبور پر مسجد نبوی نہیں بنائی بلکہ ان قبور کی نبشش کی اور قبروں سے اجزاء ابدان نکال کر جگہ کو ان سے صاف کر دیا پھر اس جگہ پر مسجد نبوی بنائی گئی لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک مسلمان میت کے ساتھ مطلق ایسا سلوک جائز نہیں کیونکہ نبشش

مسلمان میت کی بابتشنا، چند عوارض جائز نہیں ۔ یہ قبور مشرکین جاہلیت تھیں ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد ۱ باب ہل ینبش قبور مشرکی الجاہلیۃ ویتخذ مکانہا مساجدا۔

اس باب میں حدیث انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں موجود ہے کہ اس جگہ میں مشرکین کی قبور تھیں اور فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبور المشرکین فنبشت یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کی نبش یعنی اجزا ابدان نکالنے کا امر فرمایا تو ان کی قبور سے اجزاء ابدان نکالے گئے اور اسی حدیث کے تحت علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری جلد ۲ صہ۱۷۹ میں فرماتے ہیں۔

وفیہ جواز نبش قبور المشرکین لانہ لاحرمۃ لہم ۔ اس حدیث میں اس فعل کا جواز موجود ہے کہ مشرکین کی قبور کی نبش کی جائے کیونکہ ان کی کوئی حرمت و عزت نہیں ہے۔

مزید ملاحظہ ہو اسی ترجمۃ الباب کے حصہ اولیٰ کے تحت عمدۃ القاری جلد ۴ صہ۱۷۱ میں فرمایا۔ لان معناہ ظاہر وھو جواز نبش قبور المشرکین لانہم لاحرمۃ لہم فیستفاد منہ عدم جواز نبش قبور غیرہم سواء کانت قبور الانبیاء اوقبور غیرہم من المسلمین لمافیہ من الاہانۃ لہم فلا یجوز ذالک لان حرمۃ المسلم لاتزول حیاومیتا۔

اس لئے کہ اس کا معنیٰ ظاہر ہے اور وہ مشرکین کی قبروں کی نبش کا جواز ہے کیونکہ ان کی کوئی حرمت و عزت نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کی قبروں کے علاوہ دیگر قبور چاہے وہ قبور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوں یا غیر انبیاء مسلمانوں کی ہوں بہر حال ان کی نبش جائز نہیں کیونکہ اس میں ان کی توہین و بے عزتی ہے لہٰذا یہ نبش قبور جائز نہیں کیونکہ مسلمان کی حرمت و عزت زندگی اور موت دونوں حالتوں میں برابر رہتی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اس جگہ میں مشرکین کی قبریں تھیں اور وہ بھی بعد نبش اس جگہ پر مسجد بنائی گئی۔ مندرجہ بالا استفتاء کے جواب میں اس واقعہ کو استدلال میں پیش کرنا کہ چونکہ مسجد

نبوی قبور پر بنی ہے لہٰذا یہاں بھی قبر پر مسجد بنانا جائز ہے۔ یہ استدلال و اجتہاد اپنی نوعیت کے اعتبار سے اتنا بھونڈا اور انوکھا اجتہاد ہے کہ دار العلوم خیر المدارس ملتان کے مفتی صاحب کے علاوہ اس اجتہاد کی جرأت کسی کو نہ ہوتی۔ کیونکہ قبور منبوشہ اور وہ بھی مشرکین کی کا حکم قبور غیر منبوشہ مسلمین پر لگانا یہ مفتی موصوف کا طرۂ امتیاز ہے۔

درحقیقت یہ استدلال ان کی شان سے اور ان کے عقائد سے بعد نہیں رکھتا ہے کیونکہ ان کی ہر تقریر و تحریر سے واضح ہے کہ یہ حضرات وہی آیات و احادیث جن میں مشرکین کی قباحت و مذمت کی گئی ہو اور مشرکین کے حق میں نازل ہوں ان تمام آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں تو جب مسلمان کو مشرک پر قیاس کرنا یہ ان کا اجتہاد ہے تو اگر قبور مسلمین کو قبور مشرکین پر قیاس کریں تو اس میں کیا بعد؟ البتہ منبوشہ اور غیر منبوشہ میں فرق نہ کرنا شاید یہ ان کی لاعلمی پر بنا ہو یا ان کے اجتہاد کی خصوصیت ہو۔

سوال ۱۲۔ مولوی عبد الحیٔ لکھنوی کے مجموعۃ الفتاویٰ میں ہے۔ استفتاء و فتویٰ دونوں درج ذیل ہیں۔ استفتاء۔ درجائی چند قبور کہنہ کہ قریب از بست و پنج یا سی سال خواہند بود بعض منیت و نابود شدہ اند و بعض باقی اند پس درایں چنیں جا قبرہا را کندہ و جائے برابر کردہ برائے سکونت مکان تیار کردن درست است یا نہ؟ (فتویٰ)، ہو المصوب درست است در بحر الرائق نوشتہ و فی التبیین لو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ انتہیٰ واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحیٔ عفی عنہ۔

کیا مولوی عبد الحیٔ صاحب کا یہ فتویٰ صحیح ہے یا غلط؟ جواب مندرجہ بالا استفتاء جس میں ایسی قبریں جن پر پچیس یا تیس برس گزر چکے ہیں کی جگہ کا ذکر ہے تو اس زمین کی وضاحت استفتاء میں نہیں کی گئی حالانکہ ان قبور کی باعتبار زمین تین صورتیں ہیں ۱۔ قبور زمین وقف للقبور میں واقع ہوں ۲۔ قبور زمین مملوکۃ الغیر میں واقع ہوں مگر دفن بغیر اذن مالک ہوئی ہو۔ ۳۔ یہ کہ قبور مملوکۃ الغیر میں باذن مالک واقع ہوں یا اصحاب القبور کی اپنی مملوکہ زمین میں واقع ہوں جس سے کسی غیر کے حق کا تعلق نہ ہو۔

یہ تین صورتیں ہیں اور ان تینوں کے احکام ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور ظاہر ہے کہ استفتاء میں طلب فتویٰ کے لئے ان میں سے کوئی صورت متعین نہیں کی گئی تو اس استفتاء میں زبردست قسم کا ابہام پایا جاتا ہے اور سوال میں اس قسم کا ابہام مفتی کو زبردست غلطی میں واقع کر سکتا ہے (جیسے مولوی عبدالحیؒ صاحب کو واقع کر دیا) اسی لئے فقہاء کرام نے رسم المفتی و اداب المفتی میں اس بات پر تصریح فرمائی کہ اگر سوال پوری طرح واضح نہ ہو تو مفتی صاحب کو چاہیئے کہ مستفتی سے وضاحت طلب کرے اور اس کے بعد فتویٰ صادر فرمائے چنانچہ ملاحظہ ہو بحر الرائق جلد ۱ صـ۲۹۲ فرمایا۔ ومن ادابہ ان یاخذ الورقۃ بالحرمۃ ویقرء المسئلۃ بالبصیرۃ مرۃ بعد مرۃ حتی یتضح لہ السوال ثم یجیب واذا لم یتضح السوال سأل من المستفتی۔

مفتی کے اداب میں سے بعض یہ ہیں کہ کاغذ بطریق عزت ہاتھ میں لے اور سوال کو غور وفکر کے ساتھ بار بار اس وقت تک پڑھتا رہے کہ پوری طرح واضح ہو جائے اس کے بعد جواب لکھے اور اگر سوال واضح نہ ہوا تو مستفتی سے پوچھے۔

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ مولوی عبدالحیؒ صاحب کا فتویٰ (جس میں جواب بھی کسی صورت معینہ پر نہیں رکھا گیا) اداب افتاء کے خلاف ہے یہ تو ایک الگ بحث ہے کہ جو عالم اداب افتاء کو جانتا نہیں یا جانتا ہے۔ مگر اس پر عمل نہیں کرتا ہے تو وہ فتویٰ دینے کا اہل بھی ہے یا نہ؟ لیکن بہر حال یہ واضح ہے کہ یہ فتویٰ تو اصول افتاء کے خلاف ہے کیونکہ مفتی صاحب نے مستفتی سے تعین صورۃ کے لئے سوال نہیں کیا اور خود فتویٰ میں کوئی صورۃ بطریق فرض بھی متعین نہیں کی۔

اب اس فتویٰ پر ذرا نظر ڈالتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ مولوی عبدالحیؒ صاحب کا یہ فتویٰ مندرجہ بالا تینوں صورتوں میں سے کسی صورت پر بھی صحیح نہیں اترتا۔

کیونکہ اگر سوال استفتاء میں قبور جس زمین میں واقع ہیں وہ اگر صورۃ ۱ کی زمین ہے یعنی وقف للدفن ہے تو پہلے ہم فرض کر چکے ہیں کہ جہت وقف میں تغیر ناجائز ہے تو زمین

وقف للقبور میں ذاتی رہائش کے لئے مکان بنانا قبور سے قطع نظر بھی ناجائز ہے لہذا اس صورۃ میں مولوی عبد الحق صاحب کے قول درست است، کو درست نیست کہنا عین درست است۔ اور اس صورۃ میں عبارۃ زیلعی سے استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ عبارۃ زمین وقف للقبور سے متعلق نہیں جیسے گذر چکا اور آگے بھی کچھ تفصیل آجائے گی۔ اور اگر زمین کی قسم ثانی ہے یعنی قبور زمین مملوکۃ الغیر میں بغیر اذن مالک واقع ہیں تو پھر بھی استدلال میں یہ عبارۃ زیلعی پیش کرنا غلط ہے کیونکہ ایسی قبور کو تو مالک زمین کی مرضی پر شریعت نے رکھا ہے اگر وہ چاہے تو فوراً قبور مٹا دے اور زمین کی سطح سے فائدہ اٹھائے یا میت کے ورثا کو اخراج کا حکم دے اور چاہے تو قبر کو اپنی حالت پر رہنے دے چنانچہ ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ جلد ۲ صفحہ ۴۷۲ فرمایا

میتٌ دفن فی ارض انسان بغیر اذن مالکھا کان المالکُ بالخیار ان شاء رضی بذالکَ وان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوّی الارض وزرع فوقھا۔ یعنی جو میت کسی کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر دفنایا گیا ہو تو مالک زمین کو اختیار ہے وہ چاہے تو اس پر راضی ہو جائے (یعنی قبر کو اپنی حالت پر چھوڑ دے) اور چاہے تو میت کے نکالنے کا حکم دے اور چاہے تو اپنی زمین کو ہموار کر کے اس کی سطح پر زراعت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس صورۃ میں میّت کے تراب ہونے تک انتظار کرنا مالک زمین پر واجب نہیں بلکہ مندرجہ بالا تین صورتوں میں اس کو اختیار ہے جو چاہے کر سکتا ہے لہذا اس صورۃ پر بھی عبارہ زیلعی لو بلی المیت وصار ترابا الخ سے استدلال بے محل اور غلط ہے کیونکہ یہ عبارۃ زیلعی اس صورۃ سے بھی تعلق نہیں رکھتی۔

اور اگر صورۃ ثالثہ ہے یعنی قبور کسی کی زمین میں باذن مالک واقع ہوں تو زیلعی کی یہ عبارت

کر لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ۔

اگر میت بلا کے بعد مٹی ہو جائے تو اس کی قبر میں دوسرے میت کا دفن جائز ہے اور اس پر زراعت اور تعمیر جائز ہے۔)

اس صورۃ سے ضرور متعلق ہے تو مطلب یہ ہوا کہ مالک زمین کے لئے میت کے مٹی

ہو جانے کے بعد موضع قبر سے نفع اٹھانا جائز ہے یہ عبارت زیلعی لو بلی المیت الخ قید شرطیہ ہے اور قانون مشہور ہے کہ اذا فات الشرط فات المشروط عبارت زیلعی میں جواز دفن وغیرہ کو اس شرط پر رکھا ہے کہ میت بالکل مٹی ہو جائے لہذا اگر اپنی ملکیت میں قبر باذن مالک ہو تو اس زمین قبر سے مالک نفع اس صورت میں اٹھا سکتا ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی نفس الامر میں میت کی حقیقت تبدیل ہو کر مٹی ہو گیا ہے اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو پھر موضع قبر سے نفع اٹھانا مطابق قاعدہ جائز نہ ہوگا لہذا اب یہ بات آئی میت کی مٹی ہو جانے کے ثبوت پر، اب یہ کون ثابت کرے کہ میت کب اور کتنی مدت میں مٹی میں مل کر مٹی ہو گا تو اولاً تو اس مٹی ہونے کیلئے جس کے بعد اس کی قبر سے انتفاع جائز ہو جائے فقہائے کرام کی تصریحات میں کوئی مدت بطریق سنین مقرر نہیں کی گئی تو مولوی عبدالحئی صاحب کا فتویٰ جو پچیس یا تیس برس گزرنے پر مبنی ہے انتہائی غلط ہے یہ تقرر ایسا ہے جس کی طرف ان سے پہلے کسی مجتہد یا سلف صالحین میں سے کسی نے ذہاب نہیں کیا تو یہ مولوی صاحب کا اپنا اجتہاد ہے جو غلط ہے حجۃ شرعیہ نہیں ہے اور مقلد کے نئے فتویٰ دینے کے طریق کے بھی منافی ہے کیونکہ مقلد نقل کے مطابق فتویٰ دے سکتا ہے بغیر نقل نہیں دے سکتا اور ظاہر ہے کہ پچیس یا تیس برس میں میت کے مٹی ہو جانے پر انہوں نے کوئی نقل پیش نہیں کی۔ لہذا عبارت زیلعی کا محمل وہ نہیں جو مولوی عبدالحئی صاحب نے بنایا۔ اس عبارت کا غلط انطباق کیا گیا ہے کیونکہ سوال یہ ہے کہ قبور کہنہ پر پچیس یا تیس برس گزرے ہیں اور وہ بھی قبور میں سے بعض قبور صحیح سالم ہیں تو ان پر رہائش کا مکان بنانا جائز ہے یا نہ؟ تو جواب تو اثبات میں دیا کہ درست ہے مگر جب دلیل دینے بیٹھے تو ایسی دلیل دی جس کا دعویٰ سے دور کا بھی رشتہ نہیں، کیونکہ سوال پچیس تیس سال سے متعلق ہے اور حضرت جواب میں ایسی دلیل پیش کرتے ہیں جس سے کسی مدت کے تعین کا نہیں بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب میت مٹی ہو جائے تو بناء وغیرہ جائز ہے آخر اس دلیل کا مطلوب سے کیا تعلق ہے؟

اب رہی یہ بات کہ میت کتنی مدت میں مٹی ہو گا تو اس سوال کا جواب صحیح یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی مدت بطریق سنین شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صاحب مذہب سے مروی

تو اس کے لئے مدت مقرر کرنا کسی مقلد محض کا کام نہیں اس کے برعکس ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ چار اقسام بنی آدم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، شہداء، علماء اور موذنین تو قطعاً مٹی نہیں ہوتے اور باقی اموات کی دم کی جڑ مٹی نہیں ہوتی۔

سوال ۵ :- بہت مدت گزرنے سے یہ احتمال تو پیدا ہو جاتا ہے کہ جب میت مندرجہ بالا چار اقسام میں سے نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ مٹی ہو گیا ہو تو یہ احتمال کافی نہیں ؟

جواب :- یہ محض ایک احتمال ہے جو ناشی عن دلیل نہیں ہے اور ایسے احتمال کی کوئی حیثیت و اعتبار نہیں اس کے برعکس میت کا صحیح وسالم البدن رہنے پر دلائل موجود ہیں

(۱)۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے والوں نے صحیح الاعضاء انسان رکھا لہٰذا اس میت میں سلامت اعضا اصل ہے اور اس کا مٹی ہونا عارض اور خلاف اصل اور تمام فقہاء نے بحث وقت مغرب وصبح میں تصریح فرمائی ہے کہ خلاف اصل کے اثبات کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ محض احتمال کافی نہیں۔ لہٰذا یہاں بھی جب تک مٹی ہو جانے پر دلیل نہ ہوگی تو محض احتمالات سے کام نہ چلے گا۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ میت کا صحیح الاعضاء ہونا یقینی چیز تھی اور قانون ہے۔ کہ الیقین لا یزول بالشک۔ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ لہٰذا محض احتمالات وشکوک واوہام سے یقینی انسان کو مٹی کا ڈھیر نہیں ثابت کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بغیر دلیل سے یہ مدعی ثابت نہیں ہوگا اور دلیل ہے نہیں لہٰذا ثابت ہوگا کہ شرط منتفی ہوا میت کا مٹی ہونا ثابت نہیں ہوا تو مشروط منتفی ہے یعنی صورت ثالثہ میں قبر سے نفع اٹھانا بھی جائز نہیں۔

لہٰذا قبور مسلمین زمین موقوفہ میں ہوں یا مملوکہ میں باذن مالک دفن ہوں دونوں صورتوں میں قبور ویران کرنا اور قبور کی جگہ سے نفع اٹھانا تصریحات بالا کی روشنی میں شرعاً جائز نہیں۔ اگرچہ قبور پر بہت زیادہ زمانہ گزر گیا ہو۔ یہی تحقیق شرعی ہے۔ جو قبور مسلمین کی عظمت وعزت کا محافظ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اس حقیر ادنیٰ

معمولی کوشش کو شرف قبولیت عنایت فرمائے اور مسلمانوں کی قبور کی عصمت وحفاظت کے لئے ان سطور کو دہ مقام عطا فرمائے کہ صحیح معنی میں اس عصمت وحفاظت کا ذریعہ متبرکہ بن جائے کیونکہ اس تحریر سے غرض صرف اور صرف توہین قبور مسلمین کا سدباب ہے۔ واللہ تعالی اعلم بما فی الصدور وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ونبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلمائہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

ایک قابل توجہ گذارش

ادارہ اہلسنّت وجماعت دارالعلوم قادریہ رجسٹرڈ، بغدادہ مردان فون ۲۹۶۶

(۱) جیسے اس کے نام سے ظاہر ہے حضرت سلطان الاولیاء قطب الاقطاب الغوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر الجیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف نسبت عظیمہ رکھتا ہے۔

(۲) عقائد اہلسنّت وجماعت کی روشنی میں علوم دینیہ کی صحیح خدمات انجام دے رہا ہے۔

(۳) تمام علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ حنفی، اصول فقہ، عقائد وکلام، منطق، فلسفہ میراث، صرف ونحو وغیرہا کی درس وتدریس میں متعدد مدرسین اور کثیر تعداد طلباء مشغول رہتی ہے

(۴) مدرسین کی تنخواہوں اور طلباء کے خورد ونوش، قیام وطعام، علاج معالجہ، درسی کتب اور تعمیری منصوبہ کے بھاری اخراجات دارالعلوم کے فنڈ سے پورے کئے جاتے ہیں

لہٰذا تمام مسلمانوں سے اپیل ہے کہ مندرجہ بالا اخراجات کے تحت دارالعلوم قادریہ کے ساتھ اپنی زکواۃ، فطرانہ، چرمہا قربانی اور دیگر عطیات سے تعاون فرما کر اپنے مذہب دست کو مضبوط بنائیں۔

یہ ادارہ آپ کی زکواۃ وفطرانہ کو صحیح مصرف میں خرچ کرتا ہے۔

توسیل زر کے لئے پتہ ذیل ہے۔

مہتمم دارالعلوم قادریہ (رجسٹرڈ)

بغدادہ مردان (صوبہ سرحد)